

فتح الباری لابن رجب حنبلی۔ ایک تعارفی جائزہ

محمد سعید شیخ

قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب کا شرف اگر کسی کتاب کو حاصل ہے تو وہ صحیح بخاری ہے، اس کی اہمیت ہر دور کے مفسرین و محدثین کرام، فقہاء عظام، متکلمین اور محققین کے ہاں مسلم رہی ہے۔ علمائے کرام نے اپنی زندگیوں کا بیشتر حصہ اس کی خدمت میں صرف کر دیا، کسی نے تراجم بخاری پر قلم اٹھایا تو کسی کے حصے میں اس کی تلخیص و اختصار آیا۔ بعض محققین نے اگر اس کی تحلیقات پر کام کیا تو بعض نے اس کے رجال پر بحث کی۔ الغرض صحیح بخاری پر کئی جہتوں سے کام ہوا، اور سب سے بڑھ کر اس کے شروع و حواشی لکھے گئے۔ ہر دور کے ارباب علم و قلم نے بڑے خلوص کے ساتھ حدیث کی خدمت کے جذبے سے ”صحیح بخاری“ کی شروع لکھیں۔

راقم کے نزدیک ”صحیح بخاری“ کی سب سے پہلی شرح امام کبیر سلیمان الخطابی نے ”اعلام الحدیث“ لکھی۔ پھر ان کے بعد دیگر شرح مثلاً ابن بطلان، ابن صبیح، نووی، کرمانی، ابن کثیر، ابن رجب، ابن حجر عسقلانی، قسطلانی اور یعنی وغیرہ نے شروع لکھیں، یہاں تک کہ برصغیر کے علماء کرام بھی اس خدمت حدیث میں پیش پیش رہے۔ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی فیض الباری کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہر شرح دوسری شرح سے اپنی بعض امتیازی خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہوتی ہے۔ آئیے ہم ابن رجب حنبلی کی فتح الباری کے امتیازی پہلوؤں کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں، جس سے آپ کے علمی مقام و مرتبے کا اندازہ ہوگا، اولاً ابن رجب کے مختصر احوال نقل کرتے ہیں۔

حیات و خدمات حافظ ابن رجب

نام و نسب: آپ کا نام عبدالرحمن، کنیت ابو الفرج اور لقب زین الدین ہے۔ آپ سلامی، بغدادی پھر دمشق کہلاتے ہیں۔ (۱)۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: عبدالرحمن بن احمد بن رجب بن الحسن بن محمد بن مسعود۔ اور آپ ابن رجب کے نام سے مشہور ہیں۔ (۲)

پیدائش: آپ کی پیدائش کی بابت تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی پیدائش بغداد میں ۷۳۶ھ میں ہوئی (۳)۔ حافظ ابن حجر کی اس بارے میں دو آراء ہیں، انباء الغر میں وہ ۷۳۶ھ ہی لکھتے ہیں (۴) جبکہ آپ الدرر الکامنه میں یوں رقم طراز ہیں: نوولد ببغداد فی ربيع الاول سنة ۷۰۶ھ (۵)۔

آپ بچپن ہی میں ۷۴۲ھ میں اپنے والد محترم کے ساتھ بغداد سے دمشق آ گئے تھے (۶) اور یہیں پرورش پائی (۷)۔ اساتذہ: آپ کو ابتدا ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ آپ نے اپنے وقت کے بہترین اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ دمشق ہی میں محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن الخباز اور ابراہیم بن داؤد الطرار سے حدیث کا سماع کیا۔ مصر میں ابوالفتح المیدومی (م: ۵۴۳ھ) اور ابوالحزم القلانسی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا (۸)۔ قاہرہ میں ابن السلوک (م: ۵۶۲ھ) کسب فیض کیا (۹)۔ آپ نے حصول علم کے لئے مکہ مکرمہ کا بھی سفر کیا (۱۰)۔

علمی مقام و مرتبہ: آپ نے اپنی زندگی کو حصول علم کے لئے وقف کر دیا تھا، کثرت سماع حدیث اور علم میں ایسی مشغولیت اختیار کی کہ فنون حدیث یعنی اسماء الرجال، علل، طرق حدیث اور معانی کی اطلاع پر یکتا زمانہ ہو گئے۔ (۱۱) حافظ ابن رجب متقدمین کے اقوال پر وسیع معلومات رکھتے تھے، اس وسعت اطلاع کی وجہ سے آپ کی شرح دیگر شروح سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ آپ کو علمی دنیا میں محدث، حافظ، فقیہ، اصولی، مؤرخ جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ (۱۲) ابن حجر لکھتے ہیں: ”آپ نے فن حدیث میں مہارت حاصل کی، علل حدیث اور تتبع طرق کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ مشہور ہو گئے۔ آپ لوگوں سے زیادہ میل جول رکھتے تھے نہ کسی کے پاس آپ کا آنا جانا تھا“ (۱۳) تالیفات: آپ نے مختلف موضوعات پر کوئی دو درجن کتب تصنیف کی ہیں۔ بعض گردش ایام کی وجہ سے اب ناپید ہو چکی ہیں، بعض طبع ہو کر منصفہ شہود پر آ چکی ہیں، ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱- شرح جامع الترمذی، ۲- جامع العلوم والحکم۔ یہ ”شرح الرعین“ کے نام سے مشہور ہے اور ایک جلد میں ہے (۱۴)، ۳- فضائل الشام، ۴- الاستخراج لاحکام الخراج، ۵- القواعد الفقہیہ (۱۶) اس کا نام صاحب معجم المؤلفین نے ”تقریر القواعد و تحریر الفوائد فی الفقہ“ لکھا ہے (۷)، ۶- لطائف المعارف فی المواعظ (۱۸) یہ وظائف ایام پر ہے، ۷- ذیل طبقات الجنابله، ۸- استنشاخ نسیم الأنس من نفحات ریاض القدس (۱۹)، ۹- الاقتباس من مشکاة وصیة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابن عباس، ۱۰- احوال القبور، ۱۱- کف الکربة فی وصف حال اهل الغربة، ۱۲- رسالة فی شرح حدیث ”بدأ الاسلام غریباً“، ۱۳- التوحید، ۱۴- رسالة فی معنی العلم (۲۰)۔

۱۵- فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، یہ صحیح بخاری کی مکمل شرح ہے۔ ابھی آپ کتاب الجنائز ہی پر پہنچے تھے کہ آپ کا وقت موعود آ گیا (۲۱) اور یہ عظیم شرح اپنی تکمیل کو نہ پہنچ سکی، طارق بن عوض اللہ بن محمد کی تحقیق

کے ساتھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ساتویں جلد فہارس پر مشتمل ہے۔ جنہیں ابو محمد عبدالرحمن فودہ نے بڑی محنت اور جاں فشانی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ حافظ ابن حجر بھی ابن رجب کی اس شرح سے واقف تھے، انہوں نے اپنی کتاب ”فتح الباری“ میں دو مقامات پر ان سے نقل بھی کیا ہے (۲۲)، اس کے باوجود حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ ابن حجر اس سے واقف نہ تھے۔ (۲۳)

زہد وقوی: آپ صاحب عبادت اور تہجد گزار تھے (۲۴)۔

ملک و مشرب: آپ حنبلی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ مقالات ابن تیمیہ کے خلاف فتویٰ دینے کی بناء پر آپ کو انتقام کا نشانہ بنایا گیا، ابن تیمیہ کے پیروکار آپ سے متنفر ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنے فتوے سے رجوع کر لیا اور آخر عمر میں آپ نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا تھا (۲۵)۔

وفات: تاریخ پیدائش کی طرح ابن رجب کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بالخصوص اس میں بھی حافظ ابن حجر کی دو آراء ہیں۔ صاحب معجم المؤلفین کے نزدیک آپ کی وفات ۴ رمضان المبارک ۷۴۳ھ میں ہوئی۔ اور آپ باب الصغیر کے پاس مدفون ہیں (۲۶)۔

حافظ ابن حجر ”انباء الغمر“ میں رمضان المبارک میں وفات بتاتے ہیں (۲۷)۔ جبکہ الدرر الكامنة میں رجب ۷۹۵ھ لکھتے ہیں (۲۸)۔ اس قول میں امام شوکانی بھی آپ سے متفق ہیں (۲۹)۔

حافظ ابن رجب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دن آپ گورکن کے پاس آئے اور زمین کے ایک ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس جگہ پر میری قبر کھود دو۔ گورکن کہتا ہے: میں نے ان کے لئے قبر کھودی۔ آپ اس میں اترے، اس کو پسند کیا اور اس میں لیٹے، کہا: اچھی بنائی ہے۔ کچھ عرصے بعد آپ کا انتقال ہو گیا اور اس میں ہی مدفون ہوئے (۳۰)۔

فتح الباری۔ منہج و خصوصیات:

۱- اختصار: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک مختصر شرح ہے۔ حافظ ابن رجب نہ تو حدیث کے ہر ہر لفظ کی شرح کرتے ہیں اور نہ ہی ہر ہر راوی پر بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ کا اسلوب انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ مبتدی بھی آپ کی شرح سے بھرپور استفادہ کر سکتا ہے۔ آپ جھجک اور طویل مباحث سے اجتناب کرتے ہیں۔ ہاں البتہ اگر کہیں ضرورت محسوس کرتے ہیں تو وہاں طویل مباحث بھی ذکر کرتے ہیں۔

۲- تاریخی معلومات: حافظ ابن رجب حنبلی بعض مقامات پر قارئین کے لئے بڑی دلچسپ اور مفید تاریخی معلومات بھی مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً ”منبر“ کے متعلق لکھتے ہیں۔ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکہ میں منبر نہیں ہوا کرتا تھا۔“ ازرقی نے اپنی کتاب میں اپنے دادا سے عبدالرحمن بن حسن عن اُبیہ کے طریق سے نقل کیا ہے:

سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں جس شخص نے منبر پر خطبہ دیا وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان ہیں، آپ اپنے زمانہ خلاف میں حج کے موقع پر شام سے اسے لائے۔ منبر کے تین درجے تھے۔ اس سے قبل خلفاء اور گورنرز اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر جمعہ کے دن خطبہ دیا کرتے تھے (۳۱)۔

۳۔ فقہی شرح: حافظ رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی کسی حدیث کی شرح کرتے ہیں تو اختصار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ مگر جن احادیث سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہو وہاں قدرے تفصیل سے بحث کرتے ہیں، بالخصوص ایسے مقامات جہاں فقہائے کرام میں اختلاف ہو، وہاں ابن رجب تمام مسائل کے اقوال نقل کرتے ہیں اور اقوال کے ساتھ ان کا طرز استدلال اور دلیل بھی نقل کرتے ہیں۔ آخر میں اپنا موقف بھی بیان کرتے ہیں۔ چونکہ آپ کا تعلق حنبلی مکتب فکر سے ہے اس لئے اپنے مسلک کو دلائل سے ترجیح دیتے ہیں۔ تیمم کے باب میں اس کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے (۳۲)۔

۴۔ لغوی مباحث: ابن رجب حنبلی اپنی شرح میں لغوی مباحث کثرت سے ذکر کرتے ہیں، کسی حدیث میں اگر کوئی غریب لفظ یا ایسا لفظ آ جاتا ہے جس کی وہ لغوی بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو وہ اس کی لغوی بحث کرتے ہیں۔ ہم اس کو چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

۱۔ بقیع بطحان: امام بخاریؒ نے کتاب مواقیب الصلوٰۃ میں ایک باب بعنوان ”باب فضل العشاء“ قائم کیا ہے، جس کے تحت آپ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی ”بقیع بطحان“ میں قیام پذیر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ منورہ میں تھے۔ ہم میں سے ایک شخص باری باری عشاء کی نماز کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، ایک دن ہم سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اپنے کسی کام میں مصروف تھے، نصف رات گزر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: ”خوش ہو جاؤ“ کیونکہ تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ تمہارے سوا اس وقت کوئی آدمی نماز نہیں پڑھ رہا“ (۳۳)۔

اس حدیث میں حضرت ابو موسیٰؓ سے جو الفاظ مروی ہیں وہ اس طرح سے ہیں:

كنت انا واصحابي الذين قدموا معي في السفينه نزولا في بقیع بطحان (۳۴)

ابن رجب حنبلی بقیع بطحان کی تشریح میں رقم طراز ہیں: ”بقیع“ لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں مختلف قسم کے درخت ہوں۔ ”بطحان“ یہ مدینہ منورہ کی تین مشہور وادیوں میں سے ایک ہے، وہ تین مشہور وادیاں بطحان، عقیق، اور قنات ہیں۔ ”بطحان“ کو محمد شین با کے ضمے اور طا کے سکون کے ساتھ یعنی ”بطحان“ کہتے ہیں۔ بعض اس کو با کے فتح کے

ساتھ یعنی ”بطحان“ بھی پڑھتے ہیں۔ اہل لغت کے نزدیک یہاں باء کا فتح اور طاء کا کسرہ یعنی ”بطحان“ ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی اور طریق پر پڑھنا جائز نہیں، اس بات کا ذکر صاحب معجم البلدان نے کیا ہے، (۳۵)۔

۲- غیش اور جیش: امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب الاذان میں ایک باب بعنوان ”باب ما یحقن بالاذان من الدماء“ (اذان سن کر قتال و خون ریزی بند کرنا) قائم کیا ہے۔ اس باب کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں اہل اسلام کی اہل خیبر پر لشکر کشی کا ذکر ہے۔ خیبر والوں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے: محمد واللہ محمد والخمیس (۳۶)

ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں: ((محمد والخمیس)) میں دو روایتیں ہیں۔ ایک تو یہی ہے اور دوسری ((محمد الجیش)) کی ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ جیش (لشکر) کو غیش اس لئے کہتے ہیں کہ یہ (درج ذیل) پانچ حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

۱- مقدمۃ (لشکر کا اگلا دستہ) ۲- سائقہ (لشکر کا سب سے پیچھے رہنے والا دستہ) ۳- مہمۃ (وائیں جانب والا دستہ) ۴- میسرۃ (بائیں جانب والا دستہ) ۵- قلب (لشکر کے درمیان والا دستہ) (۳۷)

۵- مآخذ کا ذکر: حافظ علیہ الرحمۃ جس زمانے میں ”صحیح بخاری“ کی یہ شرح تالیف فرما رہے تھے، اس زمانے میں اس طرح حوالہ دینے کا طریق نہ تھا جو آج کے زمانے میں ہے جسے جدید منہج التحقیق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ البتہ اس زمانے میں جب کوئی مصنف اپنے ہم عصروں یا متقدمین کی کتب سے اقتباس نقل کرتا تو کہتا کہ قال فلان فی کتابہ یا صرف قال فلان کہتا ہے۔ علمی دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مصنف اپنے مآخذ و مراجع کا ذکر کرے۔

ابن رجب حنبلیؒ جب کبھی اپنے کسی پیش رو محقق کا قول یا کسی کتاب سے اقتباس نقل کرتے ہیں تو اس کا ذکر یا اس کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ آپ نے اس بات کا اہتمام کیا ہے۔ اگر صرف ابن رجب کے مآخذ و مراجع پر تحقیق کی جائے تو ایک طویل کتاب تیار ہو جائے گی، جس سے متقدمین کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کا پتہ چلے گا اور بعض ایسی نادر کتب کے بارے میں بھی معلومات فراہم ہوں گی جو اب مروایام کی وجہ سے ناپید ہو چکی ہیں۔

۶- ”صحیح بخاری“ میں مذکور احادیث کی دیگر طرق سے تخریج: ابن رجب حنبلیؒ کی یہ عادت ہے کہ جب وہ صحیح بخاری کی کسی حدیث پر بحث کرتے ہیں تو وہ حدیث بخاری کے طریق کے علاوہ دیگر جتنے طرق سے مروی ہوتی ہے ان طرق کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اس سے ایک فائدہ تو متعدد طرق پر مطلع ہونا ہے اور دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ روایت میں جو لفظی اختلاف ہوتا ہے وہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک حدیث پورے سیاق و سباق کے ساتھ واضح ہو جاتی ہے۔ اس سے حافظ ابن رجب حنبلیؒ کے وسعت مطالعہ اور جلالت شان کا پتہ چلتا ہے۔ ہم اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کے تحت حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی حدیث ”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، والمہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ“ (۳۸) ذکر کی ہے۔

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ سند نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کے الفاظ یہ ہیں: ”سمع عبداللہ بن عمرو یقول: ان رجلا سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ای المسلمین خیر؟ قال: ”من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ“ (۳۹)۔

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سے مسلمان بہتر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔“

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ ان الفاظ میں اور امام بخاریؒ کے الفاظ میں اختلاف ہے (۴۰)۔ پھر مزید لکھتے ہیں: اس حدیث کے مشابہ ایک اور حدیث بھی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور لوگوں کی جان، مال، عزت و آبرو کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا: ”ساخبرکم من المسلم: من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، والمؤمن من امنہ الناس علی اموالہم وانفسہم“۔

اس کی تخریج ابن حبان نے فضالہ بن عبید کی حدیث سے کی ہے (۴۱)۔

اس طرح مسند امام احمد بن حنبل میں بھی یہ حدیث مروی ہے جس کے الفاظ ہیں: ”قال رجل: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ما الاسلام؟ قال: ”ان تسلم قلبک للہ وان یسلم المسلمون من لسانک ویدک“ (۴۲)۔

پھر مسند امام بن حنبل ہی سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں (۴۳)۔

درج بالا بحث سے حافظ ابن رجب کی وسعت معلومات اور جلالت شان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ صحیح بخاری کی کسی حدیث کی تشریح سے قبل یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اس کے طرق کو جمع کیا جائے اور اس لئے بھی کہ حدیث، حدیث کے بعض حصے کی تفسیر کرتی ہے۔

۷۔ ”رجال“ پر بحث: حافظ ابن رجب رجال حدیث پر بڑی کثرت سے بحث کرتے ہیں اور راوی کی توثیق یا تضعیف کرتے ہوئے ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اس کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حافظ ابن رجب کی رجال کے احوال پر کتنی گہری نظر تھی۔

الف: اسماعیل بن یحییٰ: اسماعیل بن یحییٰ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ضعیف جدا یعنی وہ (حدیث کے معاملے میں) بہت زیادہ ضعیف ہے، پھر اسماعیلی کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: حمید بن سعد مجہول ہے اور اسماعیل بن یحییٰ

ب: افہم: اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ ابن الماکل الحمزانی ہیں اور ثقہ ہیں (۴۵)۔

ج: مظاہر السدی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ منکر حدیث ہے، ابن معین اور نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۴۶)۔
حافظ ابن رجب نے رجال حدیث پر بڑی عالمانہ اور ناقدانہ جرح و تعدیل کی ہے۔ اسی طرح اگر کسی سند میں راوی کی کنیت مذکور ہو اور وہاں اس کے نام کی تعیین کی ضرورت ہو تو اس کا نام بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ ہاں اگر وہ راوی اس کنیت سے مشہور ہو اور کسی تعیین کی ضرورت نہ ہو تو وہاں ایسا نہیں کرتے۔ مثلاً ابوالعلی کے بارے میں کہتے ہیں:
وہ یحییٰ بن یسویں کوئی ہے، ثقہ ہے اور مشہور ہے (۴۷)۔

اسی طرح ابومعشر کے بارے میں لکھتے ہیں: هو نجیح السدی ضعیف الحدیث جدا و تکلم فیہ (۴۸)۔

”وہ نجیح السدی ہے، حدیث میں بہت ضعیف ہے اور اس پر کلام کیا گیا ہے۔“

۸- امام بخاری کی سند پر تنبیہ: امام بخاری کتاب الصلوٰۃ میں باب قول اللہ عزوجل ﴿وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی﴾ کے تحت تین احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے آخری حدیث حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اس کی سند اس طرح ہے:

حدثنا اسحاق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق: ابانا ابن جریج، عن عطاء، قال: سمعت ابن

عباس قال (۴۹)۔

اس سند پر حافظ ابن رجب اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں: اسی طرح امام بخاری نے اسحاق بن نصر عن عبدالرزاق کے طریق سے تخریج کی ہے۔ عبدالرزاق کے تمام شاگردوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ جیسے امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ، انہوں نے حضرت ابن عباسؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک واسطہ ”اسامہ بن زید“ کا نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریج کے شاگردوں نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے محمد بن بکر البرسانی، ابو عاصم اور یحییٰ بن سعید وغیرہ۔ اسی طرح امام بخاری کی سند سے ”اسامہ بن زید“ کا ذکر ساقط ہو گیا۔ اور اس پر اسماعیلی اور بیہقی وغیرہ نے تنبیہ کی ہے۔ حمام نے اس کو عطاء عن ابن عباس کے طریق سے نقل کیا اور اس میں بھی ”اسامہ“ کا ذکر نہیں ہے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس کو کبھی مرسل بیان کرتے تھے اور کبھی اس کو مسند بیان کرتے تھے۔ اسی طرح امام بخاری نے اس حدیث کی تخریج کتاب الحج (۵۰) میں مکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے کی ہے، مگر عبدالرزاق عن ابن جریج کے طریق سے اس میں اسامہ کا ذکر ہے (۵۱)۔

۹- فقہائے کرام کے مابین اختلاف کے اسباب: اکثر تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حافظ علیہ الرحمۃ محدث ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔ فتح الباری میں جابہ جانا اور دقیق فقہی مباحث اس کا بین ثبوت ہیں۔ فروغی مسائل

میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ اس کا اثر یقیناً بعد کے آنے والے ادوار پر بھی پڑا۔ جوں جوں امت عہد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے دور ہوتی چلی گئی، اختلاف کثرت کے ساتھ پھیلتا چلا گیا۔ مختلف مکاتب فکر کا وجود میں آنا ایک فطری امر تھا۔ علمائے امت اور فقہائے کرام کے مابین اختلاف کے اسباب کیا ہیں؟ ان اسباب کو حافظ علیہ الرحمۃ کچھ اس طرح گنواتے ہیں:

نمبر ۱: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک نص (بعض علماء پر) مخفی ہوتی ہے، اس کو قلیل تعداد میں افراد نقل کرتے ہیں، اس لئے وہ تمام ارباب علم و تحقیق تک نہیں پہنچ پاتی۔

نمبر ۲: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک معاملے میں دو احادیث منقول ہوتی ہیں۔ ایک حلت کا تقاضا کرتی ہے تو دوسری حرمت کا۔ ایک جماعت کے پاس ایک حدیث پہنچتی ہے تو دوسری جماعت کے پاس دوسری۔ ہر جماعت اپنی اپنی حدیث سے استدلال و تمسک کرتی ہے (چنانچہ وہ اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں) یا ہر جماعت کے پاس دونوں احادیث پہنچتی تو ہیں مگر انہیں تاریخ کا پتہ نہیں چلتا کہ اس میں سے ناسخ کوئی ہے اور منسوخ کوئی ہے؟ اس لئے وہ توقف کرتے ہیں۔

نمبر ۳: کسی چیز کے بارے میں صریح نص موجود نہیں ہوتی۔ علمائے کرام عموم یا مفہوم سے یا قیاس سے کام لیتے ہوئے فیصلہ کرتے ہیں۔ ان علمائے کرام کی قوت فہم میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے، اس لئے وہ اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

نمبر ۴: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں امر یا نہی موجود ہوتی ہے۔ علماء کے درمیان (قرینے کے نہ ہونے کی صورت میں) اس بات پر اختلاف ہو جاتا ہے کہ اس امر کو وجوب پر محمول کریں یا ندب پر۔ اسی طرح اس نہی کو حرمت پر محمول کریں یا تنزیہ پر (۵۲)۔

ابن رجب ان اسباب اختلاف کو نقل کرنے کے بعد امید کا دیا بھی روشن کرتے ہیں اور اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوگا جس میں کوئی عالم حق کو نہ جانتا ہو، وہ لکھتے ہیں:

”ہمارے ذکر کردہ اسباب اختلاف فقہاء کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب ہیں، اس کے باوجود بھی میرے یقین ہے کہ کسی بھی چیز کے بارے میں ہر دور میں ایک عالم ایسا ہوتا ہے جس کی بات حق کے موافق ہوتی ہے اور وہ اس حکم کو عالم ہوتا ہے، دیگر پر وہ حکم مشتبہ ہوتا ہے اور وہ اس کو جاننے والے نہیں ہوتے۔ اس لئے بھی کہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی اور اہل باطل حق پر غالب نہیں آئیں گے۔ حق تمام زمانوں اور تمام شہروں میں غیر معمولی طور پر مجبور نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتبہات کے بارے میں ارشاد فرمایا ”لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ“ یعنی ان مشتبہات کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کچھ افراد ایسے بھی ہوں گے جو ان کو جانتے ہوں گے اور وہ معاملہ صرف نہ جاننے

حوشی:

ماہنامہ ”دفاق المدارس“ ۴۸ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ

الغمر، ج ۱، ص ۱۶۰-۱۶۱- لاءِ اعلام، ج ۴، ص ۶۷-۶۸- معجم المؤلفین، ج ۵، ص ۱۱۸-۱۱۹-
ایضاً ۱۹- ایضاً ۲۰- الاعام، ج ۴، ص ۶۷-۶۸- الشوکانی، شیخ الاسلام محمد بن علی، البدر
الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، دار المعرفۃ بیروت، ج ۱، ص ۲۲۸-۲۲۹- تفصیل کے لئے دیکھیے:
فتح الباری لابن حجر، (۲/۶۷) و (۱۱/۳۴۰) ۲۳- السخاوی، شمس الدین محمد بن
عبدالرحمن، الجواهر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر، دار ابن حزم بیروت، ط: ۱،
۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹ء، ج ۲، ص ۶۷-۶۸- انباء الغمر، ج ۱، ص ۲۵۰-۲۵۱- ایضاً ۲۶- معجم
المؤلفین، ج ۵، ص ۱۱۸-۱۱۹- انباء الغمر، ج ۱، ص ۲۶۱-۲۶۲- الدرر الكامنة، ج ۲، ص
۳۲۲-۳۲۹- البدر الطالع، ج ۱، ص ۳۲۸-۳۰- الدرر الكامنة، ج ۲، ص ۳۲۲-۳۱- ابن رجب
حبلی، زین الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن شہاب الدین البغدادی الدمشقی، فتح الباری فی شرح
صحیح البخاری، دار ابن جوزی المملکۃ العربیۃ السعودیہ، ط: ۱، ۱۴۱۷-۱۹۹۶ء، ج ۲، ص
۳۱۰-۳۲- تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فتح الباری، ج ۲، کتاب التیمم ۳۳- صحیح بخاری، کتاب
مواقیت الصلوٰۃ، باب فضل العشاء، حدیث رقم ۵۲۷-۳۳- ایضاً ۳۵- ابن رجب حبلی، فتح
الباری، جلد ۳، ص ۱۸۲-۳۶- صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب ما یحظن بالأذان من الدماء، حدیث
رقم ۲۱۰-۳۷- ابن رجب حبلی، فتح الباری، ج ۳، ص ۴۴۰-۳۸- صحیح بخاری، کتاب
الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، حدیث رقم ۹-۳۹- صحیح مسلم، کتاب
الایمان، حدیث رقم ۵۷-۴۰- ابن رجب، فتح الباری، ج ۱، ص ۳۳-۴۱- ایضاً، ص ۳۴-۴۲-
ایضاً ۴۳- ایضاً ۴۴- ایضاً، ج ۱، ص ۲۹۳-۵، ص ۴۵۱-۴۵- ایضاً، ج ۶، ص ۴۸۱-۴۶-
ایضاً، ج ۳، ص ۳۰۱-۴۷- ایضاً، ج ۶، ص ۱۸۲-۴۸- ایضاً، ج ۲، ص ۲۹۰-۴، ص ۳۶۹-
۴۹- صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب قول اللہ عزوجل ﴿وَاتَّخِلُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ﴾ حدیث رقم
۳۸۳-۵۰- ایضاً، کتاب الحج، باب من کبر فی نواحی الکعبۃ، حدیث رقم ۱۳۹۸-۵۱- فتح الباری،
ج ۲، ص ۳۰۲-۵۲- ایضاً، ج ۱، ص ۲۱۲-۵۳- ایضاً، ج ۱، ص ۲۱۲-۲۱۳-۵۴- ایضاً، ج
۲، ص ۳۴-۵۵- ایضاً، ج ۲، ص ۳۴-۵۶- ایضاً، ج ۲، ص ۳۴-۵۷- راقم نے ایک تفصیلی مضمون حافظ
حجر علیہ الرحمۃ اور ان کی فتح الباری پر بھی تحریر کیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھیے:

سعید شخ، محمد، فتح الباری- منہج واسلوب، مشمولہ ”القلم“، مدیر: ڈاکٹر حمید اللہ عبدالقادر، ناشر: ادارہ علوم اسلامیہ

☆☆☆

جامعہ پنجاب لاہور، جلد ۱۱، شمارہ ۱۱، ص ۲۵-۶۶-

ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ

۴۹

”ماہنامہ ”وفاق المدارس“